شاہ ولی اللہ کے اصولِ تفسیر

قرآن مجید کے باب میں شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ تا ۱۷۶۲) اور ان کے خانوادے نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ وہ پہلے مفسر ہیں جنھوں نے تشریحی حواشی کے ساتھ قرآن کا فارسی ترجمہ کیا' اور یہ دروازہ اس طرح کھلا کہ اردو میں ترجموں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انھوں نے نہ صرف قرآن کے ترجمے کے اصول مرتب کیے بلکہ فارسی میں تفسیر کے اصولوں پر بھی ایک مہتم بالشان رسالہ تصنیف کیا۔ پورا رسالہ ہی قرآن فہمی کے لیے ایک ناگزیر کلید ہے' لیکن بعض اصول اس راہ میں گہری بصیرت اور انقلابی مضمرات پر مشتمل ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین کے لیے شاہ صاحب کے اصولِ تفسیر کے اہم نکات کا خلاصہ بہت مفید ہوگا (مدیر)۔

اس بندۂ ضعیف پر اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار انعامات کیے ہیں' ان میں سب سے بڑا انعام قرآن عظیم کے فہم کی توفیق ہے۔ اور امت کے اس کم ترین شخص پر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بے انتہا احسانات کیے ہیں' ان میں سب سے بڑا احسان اس فرقان کریم کی تبلیغ ہے۔

فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم کہتا ہے: جب کہ اس فقیر پر کتاب اللہ کو سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا ہے' تو میں چاہتا ہوں کہ بعض مفید نکات' جو کلام اللہ کو سمجھنے میں دوستوں کے کام آسکتے ہیں' ایک مختصر رسالے میں جمع کر دوں۔ حضرت باری تعالیٰ کی عنایت سے امید ہے کہ صرف ان قواعد کو سمجھ لینے سے طالب علموں کے لیے کتاب اللہ کے سمجھنے کے لیے ایک وسیع اور واضح راہ کھل جائے گی جو کتبِ تفسیر کا مطالعہ کرنے سے یا مفسرین سے قرآن پڑھنے سے بھی ہاتھ نہ آئے گی۔

میں نے اس رسالے کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر رکھا ہے۔

۱ - علومِ قرآنی

قرآن مجید کے علوم پانچ قسم کے ہیں' اس کی کوئی تعلیم ان سے باہر نہیں۔ انھی علوم پنج گانہ کا بیان' قرآن کے نزول کا اصل مقصد ہے:

۱۔ علمِ مخاصمہ: یعنی گمراہ فرقوں جیسے مشرکین' یہودیوں' عیسائیوں اور منافقین کے ساتھ مباحثہ اور مجادلہ۔

۲۔ علمِ تذکیر بآلاء اللہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور آیات کا علم' جیسے زمین و آسمان کی

پیدائش 'بندوں کو ان کی ضروریات کی تعلیم اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان۔

۳۔ علم تذکیر بایام اللہ: یعنی تاریخی واقعات کا علم' جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتے ہیں' جیسے مطیع بندوں پر انعامات اور مجرموں پر عذاب کے واقعات۔

۴۔ علم تذکیر بموت و مابعد: یعنی موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا علم' جیسے حشر و نشر' حساب و میزان اور جنت و جہنم کا بیان۔

۵۔ علم احکام: یعنی فرض' مستحب' مباح' مکروہ اور حرام امور کے احکام کا علم' خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے' معاشرت سے ہو یا سیاست و معیشت سے۔

۲ - اسلوبِ قرآنی

سب سے پہلے یہ بنیادی بات جاننا ضروری ہے کہ قرآن میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش اور اسلوب پر ہوا ہے' جو اس کے اولین مخاطب تھے' اور متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا۔ مثلاً' آیات احکام میں وہ اختصار نہیں ملحوظ رکھا گیا جس کا اہتمام قانون کے مسودہ نگار کرتے ہیں' نہ اصولیوں کی طرح غیر ضروری قیود کی تنقیح کی گئی ہے۔ اسی طرح آیات مخاصمہ میں منطقیوں کی طرح دلائل پیش نہیں کیے گئے ہیں' بلکہ مخاطبوں کے نزدیک مُسلّمہ امور نیز مشہور و معروف کلیات پر' اور خطاب کے مفید مطلب اسلوب پر بحث کا مدار رکھا گیا ہے۔ ادیبوں کی طرح ایک مضمون ختم کر کے دوسرا مضمون شروع کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے' بلکہ جو بات بندوں کو بتانا ضروری سمجھا ہے اسے بیان کر دیا ہے' خواہ وہ مقدم ہو جائے یا موخر۔

۳ - شانِ نزول

[شان نزول کی اصل حقیقت کو سمجھنا' فہم قرآن کے لیے انتہائی اہم ہے۔ تفصیل بعد میں آئے گی' مجملاً یہ جاننا چاہیے کہ] مفسرین عام طور پر ہر آیت کے ساتھ' احکام کی ہو یا مخاصمہ کی' کوئی نہ کوئی قصہ ضرور جوڑتے ہیں' اور اسے اس آیت کا سبب نزول قرار دیتے ہیں۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ قرآن کے نزول کا مقصد' [یعنی اس کی شان نزول] ' صرف ایک ہے: وہ ہے انسانوں کے نفوس کا تزکیہ و تہذیب' اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کا ازالہ۔

چنانچہ آیاتِ مخاصمہ کی شان نزول لوگوں کے باطل عقائد ہیں' [خواہ وہ کسی زمانے اور کسی قوم میں ہوں]۔ آیات احکام کی شان نزول ان کے فاسد اعمال ہیں' اور آیات تذکیر کی شان نزول یہ ہے کہ لوگ اللہ کی نعمتوں' تاریخی واقعات اور حیات بعد الموت سے تنبیہہ حاصل نہیں کرتے۔

جزئی واقعات کی ان تفصیلات کو' جنھیں بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے' (فہم قرآن میں) کچھ

دخل نہیں ہے۔ ہاں' چند آیات ایسی ضرور ہیں جن میں آنحضرتؐ کے زمانے میں یا آپؐ سے پیش تر' ہونے والے کسی واقعے کا ذکر ہے۔ اس واقعے کو بیان کیے بغیر مخاطب کی تشفی نہ ہوگی' [نہ مفہوم پوری طرح واضح ہوگا]۔ پس لازم ہے کہ علومِ قرآنی کی تفسیر اس طرح کریں کہ (شانِ نزول کے) ان واقعات کی مدد لینا ضروری نہ ہو۔

۱ – علومِ قرآن

علمِ مخاصمہ

[اس باب میں قرآن کا اسلوب وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کا بہترین و کامل نمونہ ہے۔]

قرآن مجید میں مخاصمہ کی دو قسمیں ہیں: ایک گمراہ لوگوں کے باطل عقائد کو بیان کر کے' اور ان عقائد کی خرابیاں واضح کر کے' ان کو رد کیا گیا ہے۔ دوسرے' ان کے شبہات بیان کر کے' انھیں' واضح اور قطعی دلائل یا خطابی اسلوب سے' دور کیا گیا ہے۔

۱ – مشرکین

مشرکین اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے' اور ملت ابراہیمی کی پیروی کے دعوے دار تھے۔

ملت ابراہیمی کے حج' قبلے کی طرف رخ' غسل جنابت اور ذبیحہ جیسے شعار وہ تسلیم کرتے تھے۔ اسی طرح اصل ملت میں وضو' نماز' روزہ' یتامی و مساکین کے لیے صدقہ جیسے نیک اعمال بھی مشروع تھے۔ جو یہ احکام بجا لائیں' مشرکین ان کی تعریف کرتے تھے' اگرچہ انھوں نے ان احکام پر عمل تقریباً ترک کر دیا تھا۔ اسی طرح قتل' چوری' زنا اور غصب کی حرمت بھی ان کو تسلیم تھی' مگر وہ ان کا ارتکاب بھی کھلم کھلا کرتے تھے۔

ان کے اشعار اور دیگر شواہد ثابت کرتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ قرآن کے سوالات کے جوابات میں وہ اقرار کرتے تھے کہ: زمین و آسمان کو اللہ نے پیدا کیا ہے' بڑے بڑے کاموں کی تدبیر وہی کرتا ہے (مثلاً وہی پانی برساتا ہے' اور زمین سے فصلیں اگاتا ہے) وہ رسول بھیجنے اور اعمال کا بدلہ دینے پر قادر ہے' حوادث کے واقع ہونے سے پیش تر ان کو مقدر کرتا ہے' وغیرہ وغیرہ۔

مگر انھوں نے اس ایمان میں متعدد گم راہیوں کی آمیزش کر لی تھی: مثلاً شرک' تشبیہ' تحریف قیامت کا انکار' اور رسالت آنحضرتؐ کا انکار' باہمی ظلم' فحش اعمال' غلط رسوم کی پابندی وغیرہ۔

وہ کار تخلیق میں اور بڑے امور کی تدبیر میں کسی کو بھی اللہ کا شریک نہیں مانتے تھے' نہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کوئی بھی اللہ کے ارادے اور قدرت سے بالاتر ہو سکتا ہے۔ ان کا شرک یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ' دنیاوی بادشاہوں کی طرح' بعض جزئی معاملات کی تدبیر خود نہیں کرتا' بلکہ اس نے بعض

مخلوقات کو مختار اور متصرف بنا دیا ہے' بعض بندوں کو الوہیت کی خلعت دی ہے' ان کی خوشنودی بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کے لیے ضروری ہے' اور ان کی سفارش اس کے ہاں کارگر۔ انھی خاص بندوں کے انھوں نے بت بنا لیے تھے۔ ان کی تشبیہ یہ تھی کہ اللہ کی صفات کو انسانی صفات کی مانند سمجھتے تھے۔ ان کی تحریف یہ تھی کہ بتوں کے علاوہ' انھوں نے بے شمار بدعات کو ملت ابراہیمی کا جز بنا لیا تھا۔ قیامت کو وہ بعید از امکان تصور کرتے تھے۔ رسالت سے وہ واقف تھے' لیکن رسول اور اللہ کے درمیان مشابہت ضروری سمجھتے تھے۔ اسی لیے وہ اس قسم کے فضول شبہات پیش کرتے تھے کہ فرشتے کو رسول کیوں نہیں بنایا' یہ کیسا رسول ہے جو کھانے پینے کا' اور بازاروں میں روزی کمانے کا محتاج ہے۔

مشرکین سے مباحثہ و استدلال : کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اہل عرب میں مبعوث کیا اور ملت ابراہیمی کے قیام پر مامور کیا' اس لیے قرآن مجید ان مشرکین کے ساتھ مخاصمہ میں دین ابراہیمی کی ان بچی کھچی تعلیمات سے استدلال کرتا ہے جنھیں وہ تسلیم کرتے تھے' تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے۔ [قرآن کا عام اسلوب یہی ہے]۔

۱- وہ مخاطبین سے ان کے عقائد و اعمال پر دلیل کا مطالبہ کرتا ہے' اور ان کے اس دعوے کا غلط ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے آباواجداد کے طریقے پر چل رہے ہیں۔

۲- ثابت کرتا ہے کہ جن کو وہ اللہ کا شریک بناتے ہیں' وہ کسی طرح بھی اس کے مثل یا اس کے برابر نہیں' اور اس انتہائی تعظیم کے ہرگز مستحق نہیں جو صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔

۳- وہ واضح کرتا ہے کہ تمام انبیا کا توحید خالص پر اجماع رہا ہے: (لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ)

۴- باطل معبودوں کا ہر قسم کی قدرت اور صفت سے محروم ہونا' آشکار کرتا ہے۔

۵- خدا میں انسانی صفات کا ہونا' اس کی خدائیت اور اس کی ذات و صفات کے منافی ہونا واضح کرتا ہے۔

۶- جس تحریف کی سند ائمہ دین سے نہیں ملتی' اس لیے یہ تمام افترا اور بدعت ہیں۔

۷- اسی طرح آخرت اور رسالت کے بارے میں عقلی اور خطابی مباحثہ کرتا ہے۔

ان مضامین کو وہ متعدد سورتوں میں' مختلف طریقوں اور اسالیب سے' اور بڑی بلیغ تاکیدات کے ساتھ ثابت کرتا ہے' اور ان کی بار بار تکرار سے گریز نہیں کرتا۔

۲- یہود اور ان سے مخاصمہ

یہودی توریت کو کتاب الٰہی مانتے تھے۔ ان کی گمراہی یہ تھی: انھوں نے توریت کی آیات میں تحریف کی تھی' لفظی بھی اور معنوی بھی۔ بعض آیات و احکام کو چھپا دیا تھا۔ بعض نئے احکام کو کتاب

الٰہی کا حصہ بنا دیا تھا۔ احکام پر عمل میں بہت ٹال مٹول کرتے تھے۔ مذہبی تعصب میں بڑے سخت تھے۔ آنحضرت کی ؐ نیز خدا کی شان میں بے ادبی اور طعن کرتے تھے۔ بخل و حرص میں مبتلا تھے۔ فقیہ کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہود لفظی تحریف توریت کے ترجمے میں کرتے تھے' یہی رائے ابن عباسؓ کی بھی ہے۔ تحریف معنوی یہ تھی کہ راہِ راست سے ہٹ کر' سینہ زوری کرکے' آیت سے اس کے اصل معنی کے خلاف معنی نکالتے تھے۔

تحریف کی ایک مثال: توریت میں یہودیوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے' (جیسے انجیل میں عیسائیوں کو اور قرآن میں مسلمانوں کو دی گئی ہے)۔ یہ بشارت ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہے' (جس کے حامل اس وقت یہودی تھے)۔ ان الفاظ سے ہرگز کوئی خاص فرقہ مراد نہیں ہے۔ مگر یہودیوں نے یہ سمجھ لیا کہ جس پر یہودی کا لیبل لگا ہو' وہی جنت میں جائے گا۔

تحریف کی دوسری مثال: ہر مذہب میں شرعی احکام اس زمانے کے مصالح کے مطابق دیے گئے' اور مخاطب قوم کی عادات کی موافقت کی گئی' اور انھی احکام کو ہمیشہ مرجع بنانے اور ان پر عمل کرنے کی سخت تاکید کی گئی۔ لیکن منشا یہ تھا کہ فقط اس زمانے میں حق ان احکام پر منحصر تھا' اور جب تک کوئی دوسرا نبی نہ آئے' انھی احکام پر اعتماد کیا جائے گا' نہ کہ دوام حقیقی۔ لیکن یہودیوں نے اس کا مطلب یہ قرار دے لیا کہ دین یہودیت کے احکام کبھی منسوخ نہ ہوں گے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی ملت کے احکام کی پیروی کی تاکید کی جاتی ہے' تو اس سے اصل مراد ایمان اور عمل صالح کی پابندی کی تاکید ہے' نہ کہ ہر صورت میں اس ملت کے احکام کی۔

کتمان آیات کی مثالیں' زنا کی سزا اور بشارت نبوی ؐ کی آیات کا چھپانا ہے۔

افترا کا ایک سبب تو تعمق اور تشدد تھا' (یعنی بال کی کھال نکالنا' اور جزئیات میں شدت برتنا)۔ دوسرا سبب استحسان تھا' یعنی' شارع کی نص کے بغیر' بعض احکام کا صرف اس لیے استنباط کرنا کہ ان میں کوئی مصلحت ہے' پھر ان بیہودہ استنباطات کو رواج دینا' اور جب ان کی پیروی ہونے لگے تو انھیں کتاب الٰہی کا مقام دے دینا۔ اسی طرح اپنے سلف کے اجماع کو دلیل قطعی خیال کرنا۔

اگر آج یہود کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہوں تو ان علمائے سو کو دیکھو جو دنیا کے طالب اور اپنے سلف کی اندھی تقلید کے خوگر ہیں' تعمق' تشدد اور احسان کو سند' اور شارع معصوم ؐ کے کلام کو چھوڑ کر موضوع احادیث اور فاسد تاویلات کو اپنا راہ نما بنا بیٹھے ہیں۔

آنحضرت ؐ کی رسالت سے انکار کا ایک سبب تو یہود کا حسد تھا' کہ آپ ؐ بنی اسماعیل میں سے تھے۔ دوسرا سبب وہ اختلاف تھا جو آپ ؐ کی شریعت اور یہودیت کے درمیان پایا جاتا تھا۔

شرائع ؐ کے اختلاف کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے۔ نبوت کا کام انسانوں کی اصلاح اور ان کی

عادات و عبادات کی درستی ہے' نہ کہ نیکی اور بدی کے نئے اصول ایجاد کرنا۔ ہر قوم اپنی عبادات معاشرت اور سیاست و معیشت میں خاص عادات کی پابند ہوتی ہے۔ اس قوم میں اگر نبی آئے' تو وہ ان کی تمام قدیم عادات کو اکھاڑ کر ان کی جگہ نئی عادات قائم نہیں کرتا۔ بلکہ وہ موجود عادات کی چھانٹ پھٹک کرتا ہے۔ جو قاعدے اور خدا کی مرضی کے مطابق ہوں' انھیں باقی رکھتا ہے۔ جو خلاف ہوں' ان میں بقدر ضرورت تبدیلی کرتا ہے۔ تذکیر بالاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ بھی' اسی اسلوب پر' ان علوم کے ذریعہ ہوتی ہے جو اس قوم کے ہاں مشہور ہوں' اور جس سے وہ آشنا اور مانوس ہوں۔

اس نکتے کی وجہ سے انبیا کی شریعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ یہ اختلاف اسی انداز کا ہے' جیسے دو مختلف مریضوں کے علاج میں ایک طبیب کے علاج میں اختلاف ہوتا ہے۔ طبیب کی غرض دونوں کے علاج میں ایک ہوتی ہے' یعنی طبیعت کی درستی اور بیماری کا ازالہ' لیکن اس کے نسخے مریض کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ ہر ملک میں' وہاں کے باشندوں کی مناسبت سے علیحدہ دوا اور غذا تجویز کرتا ہے' اور اس میں موسم کا لحاظ بھی رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا ہی حکیم حقیقی ہے۔ ہر قوم اور اس کی عادات' اور ہر زمانہ میں جانی پہچانی اور مانی ہوئی چیزوں کی مناسبت سے اس کی شریعت مختلف ہوئی۔

قرآن نے ایک ایک کر کے' قوی دلائل کے ساتھ' یہود کی ساری گمراہیوں کا ازالہ کیا ہے۔

۳ - عیسائی اور ان سے مخاصمہ

عیسائی بھی توحید' حضرت عیسیٰؑ اور انجیل کے ایمان کے دعوے دار تھے' مگر ان کی اصل گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا' جو باہم مختلف بھی ہیں اور ہم جنس بھی۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام' خدا بھی ہیں' خدا کے بیٹے بھی ہیں' بشر بھی ہیں' اس لیے ان کی نسبت بشری اور الوہی دونوں احکام جاری ہوتے ہیں۔ نیز ان کی گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ یقین رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر مقتول ہو گئے تھے۔ ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ فارقلیط موعود سے وہ عیسیٰؑ مراد ہیں' جو قتل ہو جانے کے بعد حواریوں کے پاس آئے۔ قرآن مجید نے عیسائیوں کی تمام گمراہیوں کو بھی محکم دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔

٤ - منافقین اور ان کے ساتھ مخاصمہ

منافقین دو قسم کے تھے: (۱) جو زبان سے کلمہ پڑھتے تھے' مگر ان کے دل میں کفر اور جحود جمے ہوئے تھے۔ انھی کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ "وہ جہنم کے آخری طبقے میں جگہ پائیں گے"۔
(۲) جن کا ایمان کمزور تھا۔

بعض اپنی قوم کے تابع تھے: قوم مسلمان ہو گئی تو یہ بھی مسلمان ہو گئے' قوم کافر رہتی تو یہ بھی

کافر رہتے۔ بعض کے دل ادنیٰ دنیوی لذتوں سے اس طرح بھر گئے تھے کہ خدا اور رسولؐ کی محبت کی جگہ باقی نہ رہی تھی۔ بعض کے دلوں پر لالچ' حسد' کینہ وغیرہ نے اس طرح قبضہ کر لیا تھا کہ مناجات کی حلاوت اور عبادات کی برکت کے لیے جگہ نہ چھوڑی تھی۔ بعض کو حصول معاش نے ایسا مشغول کر دیا تھا کہ آخرت کو یاد رکھنے اور اس کی فکر کرنے کی فرصت ہی نہ دیتی تھی۔

بعض کے دلوں میں حضرت پیغمبرؐ کے بارے میں واہیات بدگمانیاں اور رکیک شبہات پیدا ہوتے رہتے تھے' اگرچہ اس حد تک نہیں کہ وہ اسلام کا قلادہ گردن سے اتار دیں۔ ان بدگمانیوں اور شبہات کے دو اسباب تھے: ایک 'حضورؐ سے ان افعال کا صدور جو بشریت کا خاصہ تھے' اور اس لیے وہ حضورؐ کو ایک عام انسان سے ممتاز نہ کر پاتے تھے)۔ دوسرے' اطراف کے ممالک میں اسلام کا غلبہ بظاہر اسی انداز میں ہو رہا تھا جس انداز میں بادشاہوں کا ہوتا ہے' (اس لیے وہ حضورؐ اور بادشاہ کے درمیان امتیاز نہ کر رہے تھے)۔ بعض کے دلوں میں اپنے کافر قبیلے اور رشتہ داروں کی محبت بدستور موجود تھی' اور وہ ان کی مدد اور تقویت کے لیے ایسے کام بھی کر بیٹھتے تھے جو اہل اسلام کے خلاف ہوتے تھے اور جن سے اسلام کمزور ہوتا تھا۔

یہ سب عمل اور اخلاق کا نفاق ہے۔ جہاں تک دل کے نفاق کا تعلق ہے' تو رسول اللہؐ کے بعد اس کا علم نہیں ہو سکتا' کیونکہ اس کا تعلق علمِ غیب سے ہے' اور دل کے حالات کوئی نہیں جان سکتا۔ رہی دوسری قسم' یعنی عملی و اخلاقی نفاق' تو وہ بہت عام ہے اور آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔

اگر تم کو منافقین کا نمونہ دیکھنا ہو تو حکمرانوں کو دیکھ لو' جو اپنی اور اپنے آقاؤں کی مرضی کو شارعؑ کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ معقولیین (Rationalists) اور آزاد منش (Liberals) بھی' جن کے دلوں میں دین کے بارے میں بے شمار شکوک و شبہات ہیں اور جو آخرت کو بھلا بیٹھے ہیں' منافقین کا ایک نمونہ ہیں۔

حرفِ آخر

مختصراً' اصل اصول یہ ہے کہ جب قرآن پڑھو تو یہ ہرگز مت سمجھو کہ خطاب ایسے لوگوں سے ہے جو کسی زمانے میں ہوا کرتے تھے' اور اب گزر گئے۔ نہیں' بلکہ بحکم حدیث ——— لتتبعن سنن من قبلکم ——— زمانہ نبویؐ میں کوئی بلا نہ تھی جس کا نمونہ آج موجود نہ ہو۔ قرآن کا مقصود اصلی (عقیدہ و عمل کی گمراہیوں کے بارے میں) کلیات کا بیان ہے' نہ کہ پرانی حکایات کا دہرانا۔ (جاری)

(تلخیص و ترتیب: خ۔م)